© rasailojaraid.com

کے لیے کوئی مثال دیتے ہوئے عام طور پر سامنے موجود طلبہ میں سے ہی کسی پر اسے منطبق کر کے دکھاتے تھے۔

دوران سبق کے علاوہ بھی وہ ہمیشہ بڑی محبت اور اپنائیت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک موقع پر جب والد گرامی بیرون ملک کے سفر پر گئے اور زیادہ عرصے کے لیے وہاں ٹھہر گئے تو ان کی غیر موجودگی میں قاضی صاحب کچھ دنوں کے وقفے سے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے ساتھ بازار لے جاتے اور پھل کی دوکان سے تازہ موسمی پھلوں کا لفافہ خوب بھر کر مجھے دے دیتے تھے کہ یہ گھر لے جاؤ۔ قاضی صاحب کے بچوں کا ہمارے گھر آنا جانا رہتا تھا، بلکہ ان کی تین چار بچیاں بچپن میں قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ہمارے ہاں والدہ محترمہ کے پاس ہی آیا کرتی تھیں۔ خوش طبعی اور سادگی قاضی صاحب کے مزاج کا حصہ تھی۔ ہمیشہ صاف ستھرا سفید لباس زیب تن فرماتے تھے اور باریک سیاہ دھاریوں والا ایک رومال ان کے کندھے پر یا ان کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔

مجھے اپنے گھر کے ماحول تک محدود رہنے اور سفر سے طبعاً گریزاں ہونے کی وجہ سے اپنے دور کے بہت کم بزرگوں اور اہل علم کی زیارت وملاقات کا موقع ملا ہے، تاہم جن بزرگوں کو دیکھنے اور کسی بھی حوالے سے ان کی شفقتوں اور عنایتوں سے کچھ بہرہ پانے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، وہ بحمد اللہ کسی محرومی کا احساس نہیں ہونے دیتی۔ ان بزرگوں کی محبت اور شفقت کی یاد ہمیشہ دل میں تازہ رہتی اور دل کو تازہ رکھتی ہے۔ قاضی حمید اللہ خان صاحبؒ سمیت ان میں سے بیشتر بزرگ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے اور ان کے ساتھ تعلق اور نسبت کو ہمارے لیے دنیا وآخرت میں سعادت ونجات کا ذریعہ بنا دے۔ جو بزرگ بقید حیات ہیں، اللہ تعالیٰ صحت، عافیت اور سلامتی کے ساتھ ان کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے اور اس چند روزہ زندگی کی ہر قسم کی آزمائشوں اور آفات سے ہم سب کو محفوظ رکھتے ہوئے آخرت میں بلا استحقاق اپنے ابدی انعام واکرام کا حق دار بنا دے۔ آمین

مرزا غلام احمد کے دعاوی اور قادیانیوں کی تکفیر

جناب مولانا وحید الدین خان نے اپنی بعض حالیہ تحریروں میں مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوائے نبوت کے حوالے سے اس پرانی بحث کو ایک بار پھر چھیڑنے کی کوشش کی ہے کہ مرزا صاحب نے فی الواقع اصطلاحی مفہوم میں اپنے لیے نبوت کے منصب کا دعویٰ کیا تھا یا نہیں، البتہ انھوں نے اس ضمن میں صرف مرزا صاحب کے بعض بیانات پر انحصار کرتے ہوئے گزشتہ ایک صدی کے حالات وواقعات اور اس بحث کے حوالے سے رونما ہونے والے فکری وعملی ارتقا کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ مرزا صاحب کی تحریروں میں اس حوالے سے جو مختلف ومتضاد بیانات ملتے ہیں، ان کے پیش نظر خود ان کے معتقدین ان کی وفات کے بعد لاہوری اور قادیانی گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور اس موضوع پر ان کے مابین مناظرانہ بحثوں کا سلسلہ بھی چلتا رہا ہے۔ تاہم اس داخلی نزاع میں جو گروہ عملاً جماعت احمدیہ کی ایک بڑی اکثریت کو اپنے ساتھ وابستہ کرنے اور جماعت کی قیادت کا منصب سنبھالنے میں کامیاب رہا، وہ قادیانی گروہ ہے اور اس گروہ کے قائدین مختلف مواقع پر ایک تسلسل کے ساتھ اپنا یہ موقف دوٹوک انداز میں واضح کر چکے ہیں کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو خالص اصطلاحی مفہوم میں خدا کا ایک واجب الاطاعت پیغمبر تسلیم کرتے اور ان پر ایمان نہ لانے والوں کو دائرۂ اسلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے خارج تصور کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے دنیا سے چلے جانے کے بعد جماعت احمدیہ کے کفر واسلام کا فیصلہ کرنے میں خود مرزا غلام احمد قادیانی کی اپنی تحریریں اوران میں دکھائی دینے والے مختلف وجوہ اور احتمالات زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ اس کا مدار عقلی و منطقی طور پر قادیانی جماعت کے موقف پر ہونا چاہیے کہ وہ مرزا صاحب کو کیا حیثیت دیتی ہے اور اسی کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا جانا چاہیے کہ جماعت احمدیہ سے وابستہ حضرات مسلمان ہیں یا نہیں۔ فرض کر لیجیے کہ مرزا صاحب نے حقیقتاً نبوت کا دعویٰ نہیں کیا، لیکن جماعت احمدیہ کے لوگ بہر حال انھیں نبی قرار دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں بنیادی اہمیت مرزا صاحب کے بیانات کی نہیں، بلکہ قادیانی جماعت کے اعتقاد کی ہے۔ لاہوری گروہ کے بارے میں، البتہ، یہ سوال ہو سکتا تھا کہ انھیں کس طرف شمار کیا جائے اور بعض اہل علم، مثلاً مولانا مودودیؒ ابتداءً ان کی تکفیر میں کچھ تردد کا شکار رہے ہیں، لیکن ۱۹۷۴ء میں آئینی فیصلے کے موقع پر انھوں نے قادیانی ولاہوری، دونوں گروہوں کی تکفیر کے حوالے سے کیے جانے والے متفقہ فیصلے میں شرکت اور اس کی تائید کی ہے۔

مرزا غلام احمد اور ان کے معتقدین کی تکفیر کے ضمن میں ایک اور بحث کا ذکر بھی موقع کی مناسبت سے یہاں کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مرزا صاحب کی طرف سے وحی کے نزول اور منصب نبوت عطا کیے جانے کے دعووں کے سامنے آنے کے بعد علماء کی غالب اکثریت نے ابتداء ہی سے یہ واضح موقف اختیار کر لیا تھا کہ جماعت احمدیہ سے وابستہ حضرات اسلام کے ایک اساسی عقیدہ یعنی عقیدۂ ختم نبوت کے انکار کی وجہ سے دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ تاہم علما کے معروف حلقے میں دو شخصیتیں۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور مولانا عبد الماجد دریابادیؒ۔ ایسی تھیں جنھوں نے اس فیصلے پر تحفظات ظاہر کیے۔ جہاں تک عقیدۂ ختم نبوت کے اسلام کا ایک اساسی عقیدہ ہونے اور اس کے انکار کے فی نفسہ کفر ہونے کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں کسی باشعور عام مسلمان کو بھی کوئی شبہہ نہیں ہو سکتا، چہ جائیکہ کوئی عالم دین اس ضمن میں کسی شک وشبہہ کا شکار ہو۔ اسی طرح ایک مدعی نبوت کی حیثیت سے خود مرزا غلام احمد کے کفر وارتداد میں بھی بدیہی طور پر کسی تردد کی گنجائش نہیں تھی۔ مذکورہ اہل علم کے تحفظات کا تعلق دراصل بطور ایک گروہ کے پوری جماعت احمدیہ کے بارے میں 'تکفیر' کی حکمت عملی اختیار کرنے سے تھا اور وہ بعض پہلوؤں سے اس جماعت میں شامل ہو جانے والے عام اور سادہ مسلمانوں کو 'تاویل' کی رعایت دیتے ہوئے کفر کے فتوے سے بچانے کی طرف میلان رکھتے تھے۔ (اس ضمن میں مولانا سندھیؒ کے خیالات پروفیسر محمد سرور مرحوم کے مرتب کردہ ''افادات وملفوظات'' میں دیکھے جا سکتے ہیں، جبکہ مولانا دریابادیؒ کے حوالے سے اس مناقشے پر نظر ڈال لینا مناسب ہوگا جو چند سال قبل ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک کے صفحات پر مولانا مدرارؒ اور جناب طالب الہاشمیؒ کے مابین جاری رہا ہے۔)

مولانا عبد الماجد دریابادیؒ نے مسلمان فرقوں کی تکفیر کے حوالے سے چند سوالات اپنے شیخ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے سامنے پیش کیے تو لکھا کہ:

''میرا دل تو قادیانیوں کی طرف سے ہمیشہ تاویل ہی تلاش کرتا رہتا ہے۔''

دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کے جواب میں مولانا تھانوی نے انھیں توبہ کی تلقین کرنے یا سطحی درجے کا مولویانہ ومفتیانہ رویہ اپناتے ہوئے ایمان اور نکاح کے ٹوٹ جانے کا فتویٰ صادر کرنے کے بجائے صرف اس قدر فرمایا کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''یہ غایت شفقت ہے، لیکن اس شفقت کا انجام سیدھے سادے مسلمانوں کے حق میں ''عدم شفقت'' ہے، وہ اچھی طرح ان کا شکار ہوا کریں گے۔''

یہ تفصیلی سوال و جواب امداد الفتاویٰ جلد چہارم، ص ۵۸۴ تا ۵۸۷ میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

مذہبیات کے ایک طالب علم کے طور پر راقم الحروف کافی عرصہ تک اس نقطہ نظر کی طرف جھکاؤ محسوس کرتا رہا ہے اور میری کچھ عرصہ قبل کی بعض تحریروں میں بھی اس کی جھلک قارئین کو دکھائی دے گی۔ البتہ، جیسا کہ واضح ہے، اشکال عقیدۂ ختم نبوت کے دین کا ایک اصولی اور اساسی عقیدہ ہونے یا خود مرزا غلام احمد قادیانی کے کفر و ارتداد میں نہیں، بلکہ صرف اور صرف ان عام قادیانیوں سے متعلق تھا جو لاعلمی، ناواقفیت اور جہالت کی بنا پر قادیانی تاویلات کے جال میں گرفتار ہو کر اس ڈر سے مرزا صاحب پر ایمان لانے کو اپنی نجات کے لیے ضروری خیال کر بیٹھے ہوں کہ ان کا شمار کہیں خدا کے ایک فرستادہ کا انکار کر کے جہنم کی آگ کا مستحق بن جانے والوں میں نہ ہو جائے۔

بہر حال کافی غور و خوض اور معاملے کے جملہ نظری و عملی پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد مجھ پر یہ واضح ہوا کہ اس باب میں علما کا عمومی موقف ہی اسلام کے نظام عقائد اور دیگر دینی و شرعی مصالح کے تحفظ کے پہلو سے اقرب الی الصواب ہے اور اگر دین و شریعت کا مزاج کسی بھی معاملے میں نظری پہلوؤں سے زیادہ عملی نتائج و اثرات کو زیادہ وزن دینے کا ہے تو پھر مرزا صاحب کی نبوت پر ایمان رکھنے بلکہ ان کی ذات سے کسی بھی نوعیت کا مذہبی اعتقاد وابستہ کرنے والوں کی بلاتفریق تکفیر ہی عام مسلمانوں کو اس فتنے سے محفوظ رکھنے کے لیے مفید اور موثر ہو سکتی ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے مولانا دریابادی کے اشکال کے جواب میں اسی پہلو کو واضح فرمایا ہے۔ قادیانی گروہ چونکہ ایک نئی نبوت پر ایمان کو کفر و ایمان کا معیار قرار دے کر تبلیغی مہم شروع کر چکا اور اسلام کے لبادے میں سادہ لوح عوام کو کفر و ضلالت کے ایک نئے فتنے میں مبتلا کرنے کے لیے سرگرم عمل ہو چکا تھا، اس لیے عقیدۂ ختم نبوت کی قطعی اور اساسی اہمیت کو واضح کرنے اور اسلام کے نظام عقائد کو اس طرح کی کسی بھی رخنہ اندازی سے محفوظ رکھنے کے لیے علمانے بجا طور پر اسی بات کو مناسب سمجھا کہ اس فرقہ نوپید کو مسلمانوں کے اندر اپنی جڑیں مضبوط کرنے کا موقع دینے سے پہلے ہی اسے جسد امت سے بالکل کاٹ دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس تناظر میں قادیانی گروہ کے خواص اور عوام میں کوئی فرق کرنا نہ صرف یہ کہ عملی طور پر ممکن نہیں تھا، بلکہ اس سے عوام الناس کو اس گروہ کے اعتقادی شر سے بچانے کا وہ مقصد بھی بالکل فوت ہو جاتا جس کے پیش نظر تکفیر کا یہ فیصلہ کیا گیا تھا۔

مذکورہ وجوہ سے میرے نزدیک قادیانیوں کو من حیث المجموع قانونی اعتبار سے کافر قرار دینے کا فیصلہ تو بالکل درست اور دینی و شرعی مصالح کے مطابق ہے، تاہم یہ نکتہ اپنی جگہ برقرار رہتا ہے کہ عام مسلمانوں میں سے جو لوگ لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے قادیانی تاویلات کے فریب کا شکار ہو چکے ہیں، ان کے ساتھ نفرت و مخاصمت اور سماجی مقاطعہ کا رویہ درست نہیں، بلکہ وہ اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ ایک داعیانہ ہمدردی کے ساتھ انھیں مسلمانوں کے قریب تر کرنے اور ان کے لیے اسلام کے صحیح عقائد سے متعارف ہونے کے مواقع پیدا کیے جائیں، اس لیے کہ دعوت دین کا کام لوگوں کو حق اور اہل حق سے دور رکھنے کا نہیں، بلکہ راہ حق سے بھٹک جانے والے لوگوں تک پہنچ کر انھیں حق کے قریب لانے کی جدوجہد کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔

© rasailojaraid.com